قسط نمبر۳ (آخری)

گزشتہ سے پیوستہ

تعلیم و تعلّم

ڈاکٹر سعید حسن

مدارس

ابتدائے اسلام میں تعلیم کا رواج مساجد میں تھا۔ جہاں مختلف علوم پر تعلیم دی جاتی تھی اور باہم مناظرہ و مباحثہ بھی ہوتا تھا رفتہ رفتہ مساجد میں ایسے مناظرے اور مباحثے ہونے لگے جن کے لیے مساجد ناموزوں جگہ خیال کی جانے لگی، اس کے علاوہ شائقین علم کو جن کی مالی حالت اچھی نہیں ہوتی تھی حصول علم میں بے حد جدوجہد اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، تاریخ سے ایسے قصوں کا پتہ چلتا ہے کہ لوگ ناداری کی وجہ سے اپنے کپڑے وغیرہ بیچ کر کتابیں وغیرہ خریدتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مسجدوں میں بعض جگہ باہر سے آنے والے طلبہ کے لیے ٹھہرنے کا انتظام تھا، خلفا اور امرا بھی گاہے بہ گاہے اپنی امداد سے شائقین علم کی ہمت افزائی کرتے تھے، چنانچہ خلیفہ القادر اپنے دستر خوان سے طلبہ کے لیے کھانا بھیجتا تھا اور وزیر ابن الفرات نے اپنی موت سے پہلے تیس ہزار دینار طلبہ کی امداد کے لیے وقف کیے۔

ابن درید مشہور ماہر لسانیات جب غربت کی حالت میں بغداد آیا تو خلیفہ المقتدر نے اس کو پچاس ہزار دینار عطا کیے۔ الفارابی کو سیف الدولہ کے دربار سے ایک ہزار دینار ملتے تھے۔

باوجود اس قسم کی فیاضیوں کے اس میں کوئی شک نہیں کہ مدرسوں کے افتتاح سے پہلے اعلیٰ پیمانہ پر قیام و طعام و دیگر آسائش کا انتظام نہ تھا اور اساتذہ کے متعلق بھی بعض کا خیال ہے جو اساتذہ تعلیم دینے میں مشغول رہتے تھے ان کو اپنی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کے لیے دوسرے پیشے اختیار کرنے پڑتے تھے اور اس لیے وہ پریشان حال رہتے تھے۔

یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محتاط علماء اجرت لے کر پڑھانا علم کی ذلت خیال کرتے تھے اور اسے علم کو بیچنا سمجھتے تھے، چنانچہ ایک قصہ مشہور ہے کہ جب نظامیہ کی بناء رکھی گئی تو ائمہ ماوراء النہر نے ایک مجلس ماتم قائم کی اور یہ کہہ کر خوب روئے کہ اب علم محض علم کی وجہ سے حاصل نہیں کیا جائے گا بلکہ جاہ و اعزاز طلبی کے لیے بیچا جائے گا چنانچہ مشہور رئیس الاساتذہ نظامیہ بغداد ابو اسحاق شیرازی نے بڑی مشکل سے لوگوں کے اصرار پر نظامیہ میں درس دینا منظور کیا۔

بہر حال چونکہ مدارس کے قیام سے حصول علم میں بہت سی آسانیاں پیدا ہونے کا امکان تھا اس لیے اسلامی ممالک میں تھوڑے ہی زمانہ میں سیکڑوں مدارس قائم ہوگئے، جن کی تفصیل کتب تواریخ و تذکروں میں اس قدر شرح و بسط کے ساتھ ملتی ہے کہ اس کے بیان کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

صرف مقریزی نے اپنی تصنیف الموسوم بہ خطاط میں باریک حرفوں کے چھپے ہوئے ۱۶۲ صفحات میں مدارس کے حالات درج کیے ہیں اور وہ بھی صرف ملک کے متعلق۔ اس نے ان مدارس کا تذکرہ نہیں کیا جن کو دوسرے مورخوں اور سیاحوں نے جا بجا درج کیا ہے۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ سب سے پہلے مدرسہ کا بانی خاندان سلجوق کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی تھا جس نے پہلی درسگاہ مدرسۂ نظامیہ کے نام سے بغداد میں قائم کی۔ لیکن سیوطی اور مقریزی کے بیان کے مطابق نظام الملک کے نظامیہ کی تعمیر سے پہلے مدرسے موجود تھے۔

اُستاد ابوالفراک المتوفی (۴۰۶ھ۔۱۰۱۵ء) کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ اسی طرح ایک مدرسہ مشہور علامہ اسفرائنی کے لیے (۴۱۸ھ۔۱۰۲۷ء) میں قائم کیا گیا۔ یہ دونوں العشری کے مشہور شاگرد تھے، اس کے علاوہ نیشاپور جو اس وقت کافی مشہور علمی مرکز تھا بناءِ مدرسہ میں بغداد سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا۔

بغداد کے نظامیہ سے پہلے خود نظام الملک نے ایک مدرسہ نظامیہ کے نام سے امام الحرمین کے لیے قائم کیا تھا، جہاں امام غزالی نے امام الحرمین سے تعلیم حاصل کی۔

مقریزی کے بیان کے مطابق نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ کے قیام سے پہلے چار مشہور مدرسے تھے۔ ایک مدرسہ سلطان محمود کے بھائی امیر احمد بن سبکتگین نے قائم کیا تھا جو سعدیہ کے نام سے مشہور تھا۔ دوسرا مدرسہ بیہقیہ کا تھا جس میں مشہور امام الحرمین امام غزالی کے استاد نے تعلیم پائی تھی۔ ۴۳۷ھ میں جب ناصر خسرو نیشاپور پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں ایک مدرسہ طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور مدرسہ تھا جو ابوسعد اسمٰعیل استر آبادی کے نام سے موجود تھا۔

بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظامیہ بغداد، اسلام میں پہلا مدرسہ تو نہ تھا البتہ طلبہ کے طعام و قیام اور دیگر انتظام کے لحاظ سے اپنی نوعیت کا یہ پہلا مدرسہ ضرور تھا جس کی دیکھا دیکھی دیگر سلاطین و امراء نے لاتعداد مدرسے قائم کیے یہاں تک کہ ہر بڑے شہر اور قصبہ میں مدرسے قائم ہونے لگے۔

مدرسوں کی بناء میں عورتوں نے بھی کافی حصہ لیا ہے مثلاً ایک شہزادی نے ۵۲۶ھ (۱۱۳۱ء) میں مامونیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، ایک مدرسہ اور دار الحدیث کے نام سے حنبلی مذہب کی تعلیم کے لیے عالمیہ کے نام سے قائم کیا گیا۔ ناصر الدین اللہ کی اس نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا اور ہلاکو خاں کی ماں نے بخارا میں دو مدرسے قائم کیے، اس کے علاوہ اور بھی مدرسے عورتوں نے قائم کیے جن کا تذکرہ جا بجا کیا جائے گا۔

مشرق میں پہلا ادارہ جو مدرسہ سے ملتا جلتا تھا ہارون الرشید و مامون نے بیت الحکمہ کے نام سے قائم کیا، اس ادارہ میں ترجمہ کے کام کے علاوہ تعلیم و تعلم کا بھی سلسلہ جاری تھا اور اس ادارہ سے ملحق ایک نہایت عمدہ رصدگاہ بھی تھا جہاں خصوصیت کے ساتھ فلکیات میں تعلیم دی جاتی تھی اس میں ایک شاندار کتب خانہ بھی تھا جس کا تذکرہ کتب خانہ کے باب میں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے نیشاپور میں بھی چند مدارس تھے۔

مشرق میں پہلا شاندار مدرسہ جہاں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طلبہ کے قیام و طعام و دیگر آسائش کا سامان مہیا کیا جاتا تھا، خاندانِ سلجوقیہ کے سلطان الپ ارسلاں اور ملک شاہ کے بیدار مغز وزیر نظام الملک نے قائم کیا تھا، اس مدرسہ کی بنیاد ۴۵۷ھ (۱۰۶۴ء) میں رکھی گئی اور دو سال کے بعد یعنی ۴۵۹ھ (۱۰۶۶ء) میں اس مدرسہ کی عمارت مکمل ہو گئی۔

اس مدرسہ کی تعمیر میں اور اس کے مصارف کے متعلق قیام اوقات میں نظام الملک نے نہایت دریادلی اور فیاضی سے کام لیا نظام الملک اپنی ذاتی املاک سے ایک کثیر رقم مدرسہ کے مصارف کے لیے وقف کی اور اس کے علاوہ چھ لاکھ دینار خزانہ شاہی سے اس کے لیے مقرر کرائے۔

نظام الملک اس مدرسہ پر اس دریادلی سے خرچ کرتا تھا کہ ایک مرتبہ ملک شاہ نے نظام الملک سے کہا کہ جس قدر رقم آپ اس مدرسہ پر صرف کرتے ہیں اس سے ایک نہایت اچھی فوج تیار ہو سکتی ہے جو سلطنت کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ نظام الملک نے جواب دیا "میں تو بڈھا ہوں آپ ماشاءاللہ جوان ترک ہیں اگر آپ کو بازار میں بیچنے کے لیے لے جائیں تو شاید ہی کوئی تیس دینار سے زیادہ دام لگائے، خدا نے اس پر بھی آپ کو عظیم الشان سلطنت عطا کی۔ میرے خیال میں خدا کی اس نعمت عظمٰی کے شکر ادا کرنے کا طریقہ اس سے بہتر نہیں معلوم ہوتا کیونکہ فوج کے تیر تو کچھ فاصلہ تک پہنچ کر رہ جائیں گے لیکن اس ادارہ سے جو طلبہ تعلیم حاصل کریں گے ان کی دعاؤں کے تیر تو آسمان تک پہنچیں گے" یہ سن کر ملک شاہ خاموش ہو گیا۔

نظامیہ مدرسہ میں طلبہ کے نہ صرف قیام و طعام کا انتظام تھا بلکہ انھیں دیگر مصارف کے لیے وظیفے بھی دیئے جاتے تھے، اس ادارہ میں ایک نہایت زبردست کتب خانہ قائم کیا گیا جس کا انتظام شیخ ابوزکریا تبریزی کے سپرد کیا گیا۔

نظامیہ کے پہلے استاد رئیس الاساتذہ شیخ ابو اسحاق شیرازی الفیروز مقرر ہوئے جو اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے لیکن انھوں نے اس عمارت میں تعلیم دینے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ زمین جس پر عمارت تعمیر ہوتی تھی لوگوں سے بہ خوشی حاصل نہیں کی گئی تھی چنانچہ اس مدرسہ کے رسمِ افتتاح کے وقت ابو النصر ابن صباغ رئیس الاستاد مقرر ہوئے جو اپنے زمانے کے نہایت مشہور عالم تھے اور بیس دن کے بعد بدقت تمام طلبہ اور مشاہیر کے بے حد اصرار سے ابو اسحاق شیرازی نے یہاں تعلیم دینا قبول کیا۔

اس مدرسے کے اساتذہ نہایت مشہور عالم اور اپنے وقت کے فرید الدہر اور وحید العصر خیال کیے جاتے تھے مثلاً ابو سعد عبد الرحمٰن ابن التوفی، عبد القاسم عبد الرحمٰن الفراتی، ابو النصر عبد السید محمد ابن صباغ، ابو عبد اللہ حسن بن طبری، ابو منصور محمد ابن ہروی، امام غزالی، فخر الاسلام محمد ابن احمد شاشی بہاء الدین۔

ان اساتذہ کے حالات مع ان کی تصنیفات کے خدا بخش مرحوم نے اپنی کتاب تمدن اسلام میں بیان کیے ہیں۔ اس مدرسہ کی تعلیم و تعلم کی اس قدر شہرت تھی کہ یہاں تعلیم حاصل کرنا اور تعلیم دینا باعث عزت خیال کیا تھا اور اساتذہ اس کو خوش قسمتی خیال کرتے تھے کہ ان کو یہاں درس دینے کا موقع ملا، امام منصور محمد بن ہروی جو پہلے مدرسہ بہائیہ میں رئیس الاستاد تھے جب ان کا تقرر نظامیہ میں تعلیم دینے کے لیے ہوا تو وہ اکثر نظامیہ مدرسہ کی مسند کو مخاطب کر کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

بکیت یا ربع حتی کمیات أبکیکا   وجدت لی ولد معی فی مغانیکا

(اے منزل میں اتنا رویا کہ تجھے بھی رُلا دیا، تیری منزلوں میں اپنی اور اپنے آنسوؤں کی موجودگی پر اظہار افسوس کرتا ہوں۔)

نعم صباحاً لقد هیجت لی شجنا   دار ذو تحیتنا انّا محیو کا

(تجھے سلام کرتا ہوں تو نے میرے غم کو برانگیختہ کر دیا اور تو بھی میرے سلام کا جواب دے کیونکہ میں تجھے سلام کر رہا ہوں)

مشہور فخر الاسلام محمد بن احمد شاشی کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ نظامیہ کی مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ان پر بے حد رقت طاری ہوئی اور وہ رو رو کر یہ شعر بار بار پڑھتے تھے۔

خلت الدیارُ فسدت غیرمُسَوّدِ   ومِنَ الشقاء لفردی بالسّودِ

(یعنی ملک بڑوں سے خالی ہو گیا تو میں سردار ہوا، میرا سردار ہونا در اصل ملک کی بد نصیبی ہے)

ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کے انتظام میں خلیفہ کو کافی دخل تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی اُستاد کا تقرر اس مدرسہ میں ہوا لیکن جب تک خلیفہ نے ان کے تقرر کو منظور نہیں کیا وہ مدرسہ میں درس نہ دے سکے۔

ابن جبیر کا بیان ہے کہ مدرسہ میں ہر فن کے ماہر جمع تھے اور ان کے نائب جو معید کے لقب سے موسوم تھے ان کا فرض تھا کہ کم استعداد طلبہ کو وہ مسائل سمجھائیں جن کو سمجھنے سے وہ قاصر رہے ہوں۔

تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ اُستاد ایک اونچی جگہ بیٹھ کر جو مسند کہلاتی تھی طلبہ کو درس دیتا تھا اور دوران درس میں طلبہ سے سوالات بھی کرتا رہتا تھا یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا تھا۔

یہ مدرسہ ہلاکو خاں کی دست برد سے محفوظ رہ گیا تھا اور تیمور کے حملہ کے دو برس بعد مستنصریہ سے ملا دیا گیا۔

نظامیہ کے بعد بغداد میں متعدد مدرسے قائم ہوئے، علامہ ابن جبیر جنھوں نے ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں بغداد کی سیاحت کی ہے بیان کرتے ہیں کہ صرف بغداد میں تیس مدرسے تھے منجملہ ان کے ایک تاجیہ تھا جس کو تاج الملوک (متوفی ۴۸۲ھ۔۱۰۸۹ء) نے قائم کیا تھا اور جس کے رئیس الاستاد ابو بکر شاشی تھے، دوسرا مدرسہ کمالیہ تھا جس کو صاحب المخزن کمال الدین ابو الفتوح نے ۵۳۵ھ (۱۱۴۰ء) میں قائم کیا تھا۔ تیسرے کا نام مظفریہ تھا جس کو المستقی بامر اللہ کے وزیر ابو المظفر عون الدین نے ۵۴۲ھ۔۱۱۴۷ء میں قائم کیا تھا، چوتھا مدرسہ بہائیہ تھا جس کو ابو منصور محمد ہروی نے ۵۷۶ھ (۱۱۸۰ء) میں قائم کیا تھا۔

ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو منصور محمد ہروی نے بھی نظامیہ میں درس دیا تھا،ایک مدرسہ والدۂ ناصر الدین اللہ نے بھی قائم کیا تھا جو عمارت اور انتظام کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔

ان سب مدرسوں میں سب سے زیادہ اہم مستنصریہ تھا جس کو خلیفہ مستنصر باللہ نے قائم کیا تھا، یہ پہلا مدرسہ ہے جو عباسی خلیفہ کے نام سے موسوم ہوا۔

مورخین کا خیال ہے کہ ایسی خوب صورت عمارت کسی مدرسہ کی نہ تھی،اس مدرسہ کی بناء ۶۲۵ھ میں خلیفہ نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک پُر فضا مقام پر رکھی۔ چھ برس میں اس کی عمارت مکمل ہوئی اور اس کا افتتاح نہایت شان کے ساتھ ہوا جس میں خلیفہ نے لوگوں کو خلعت وانعامات دیئے۔اس مدرسہ میں طلبہ کی ضروریات کے لیے نہایت عمدہ انتظام تھا، دارالاقامہ، حمام، باورچی خانہ سبھی کچھ یہاں موجود تھا، گرمیوں میں طلبہ کے لیے ٹھنڈا پانی بھی مہیا کیا جاتا تھا اور طلبہ کو کاغذ، سیاہی، قلم دوات وغیرہ بھی مفت ملتا تھا اور مقررہ خوراک کے علاوہ میوے اور مٹھائیاں بھی دی جاتی تھیں۔

مستنصر باللہ نے اس مدرسہ کے سالانہ مصارف کے لیے متعدد قصبات و دیہات وقف کر دیئے تھے جس کی آمدنی لاکھوں روپیہ کی تھی، خلیفہ خود معائنہ کرنے کے لیے یہاں آتا تھا اور قریب ہی ایک باغ میں خلیفہ نے ایک منظرہ تیار کرایا تھا جہاں سے مدرسہ کے حالات کا مطالعہ کر سکتا تھا۔
اس مدرسہ کے دروازے پر ایک گھڑی لگی رہتی تھی جو صندوق الساعت کے نام سے موسوم تھی جس کو علی بن ثعلب بعلبکی نے جو الساعتی کے نام سے مشہور ہے بنایا تھا اس مدرسہ کے افتتاح کے وقت ۲۴۸ طلبہ دارالاقامت میں داخل ہوئے اور رئیس الاستاد رشید الدین فرغانی جو فقہ اور علم الکلام اور حکمت کے مشہور عالم تھے اس میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔اس سے ایک عمدہ کتب خانہ بھی متعلق تھا جس کا تذکرہ کتب خانہ کے ضمن میں کیا جائے گا۔اس مدرسہ میں چاروں مذاہب یعنی مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو آٹھویں صدی میں بغداد گیا تھا اُس نے اس عمارت کا تذکرہ کیا ہے۔

مدرسوں کے قائم کرنے کا شوق چھٹی صدی (۱۱۰۰ء) سے لے کر نویں صدی (۱۴۰۰ء) تک نہایت ترقی پر رہا اور اسلامی ممالک میں کوئی ایسا مشہور شہر نہ تھا جہاں متعدد مدرسے قائم نہ کیے گئے ہوں۔

ابن جبیر نے چھٹی صدی میں ان علاقوں کا سفر کیا ہے وہ ایک مدرسہ کا تذکرہ نصیبین میں ایک کا حیران میں اور پانچ کا حلب میں، تین کا حماۃ میں اور تیس کا دمشق میں کرتا ہے جن میں نوریہ کا مدرسہ کافی مشہور تھا۔ اس کے علاوہ چھ مدرسوں کا تذکرہ موصل میں کرتا ہے۔ مدرسوں کے قیام میں خاندان نوریہ اور صلاحیہ نے بہت بڑا حصہ لیا تھا جن کی دیکھا دیکھی ان کے اعزہ واقرباء اور امراء نے بھی ان کی خوش نودی مزاج حاصل کرنے کے لیے متعدد مدارس قائم کیے، سیوطی اور خلکان وغیرہ نے ایک طویل فہرست مدرسوں کی دی ہے جس میں صرف نوریہ اور صلاحہ کے مدارس کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

دمشق میں صلاحیہ خاندان کے زمانے کے مدارس یہ تھے، صلاحیہ، عزیزیہ، ستتہ، زمردیہ (جس کو ایک خاندان زمرد نامی ہمشیرہ صلاح الدین) نے قائم کیا تھا، ازراویہ جس کو صلاح الدین کی بھتیجی نے قائم کیا تھا، معظمیہ جس کو صلاح الدین کے بھائی الملک المعظم نے قائم کیا تھا یہ مدرسہ بہت مشہور تھا۔ خود ملک المعظم نہایت زبردست عالم تھا۔ طلبہ وعلما کی بے حد قدر کرتا تھا، معینیہ سلطان صلاح الدین کے لڑکے معین الدین نے قائم کیا تھا۔ دمشق کے علاوہ حلب میں بھی اس خاندان نے متعدد مدارس قائم کیے تھے ان میں ظاہریہ تھا جس کو الظاہر بن صلاح الدین نے قائم کیا تھا اور جس میں مشہور عالم ابوالحسن صباغ نے درس دیا تھا۔ دوسرا شہابیہ تھا جس کو شہاب الدین طغرل نے اور تیسرا بہائیہ جس کو ابوالمحاسن یوسف بہاء الدین نے قائم کیا تھا۔

علامہ ابن خلکان نے اسی مدرسہ کے دارالاقامہ میں عرصہ تک قیام کر کے تعلیم حاصل کی تھی۔ خاندان نوریہ نے جس کا بانی نورالدین زنگی تھا دو مدرسے قائم کیے،ایک مدرسہ نوریہ (حنفی مذہب کا مدرسہ) اور دوسرا مدرسہ دارالحدیث تعلیم حدیث کے لیے۔

امیر مجاہد الدین متوفی ۵۵۵ھ نے انقرا کے پاس ایک مدرسہ مجاہدیہ کے نام سے قائم کیا تھا۔ حلب میں اس خاندان کے قائم کیے ہوئے مدارس کئی تھے۔ ان میں ایک نوریہ یا عمادیہ تھا جس کو نور الدین نے قائم کیا تھا لیکن چونکہ اس کا انتظام مشہور کاتب عماد الدین سے متعلق تھا اس لیے اس کا نام بعد میں عمادیہ ہو گیا۔

موصل کے مشہور مدرسے نور الدین کے خاندان کے زمانے میں حسب ذیل تھے۔

❶ عزیہ جس کو عز الدین نبیرہ نور الدین متوفی ۵۶۹ھ (۱۱۷۳ء) نے قائم کیا تھا اور جس میں حنفیہ و شافعیہ دونوں مذہبوں کی تعلیم ہوتی تھی۔

❷ سیفیہ جس کو سیف الدین غازی برادر نور الدین متوفی ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں حنفیہ و شافعیہ دونوں مذاہب کی تعلیم کا انتظام تھا اور ابن خلکان نے اس مدرسہ کے حسنِ انتظام کی بڑی تعریف کی ہے۔

❸ سیف الدین غازی کے حاکم موصل ابو منصور قایماز نے ایک مدرسہ قائمازیہ کے نام سے قائم کیا تھا۔

ابن بطوطہ نے واسط میں ایک مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے جو تجوید القرآن کی تعلیم کے لیے مشہور تھا۔ یہ مدرسہ تقی الدین عبد الحسن نے قائم کیا تھا جو واسط کے مشاہیر میں سے تھے اور فقہ کے بڑے عالم مانے جاتے تھے، اس میں تین سو کمرے تھے جہاں لڑکے مقیم ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے، طلبہ کو کھانے کے علاوہ کپڑے بھی دیے جاتے تھے۔

تستر میں سلطان اپنی آمدنی کا ۱/۳ حصہ صرف مدرسے اور خانقاہوں پر صرف کرتا تھا، اس کے علاوہ شیراز و فارس اور دیگر مقامات میں بھی متعدد مدرسے تھے۔ یعقوب نے ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں نظامیہ کے علاوہ مرو کے اور مدرسوں کے حالات بھی لکھے ہیں۔

چنگیز خاں کی اولاد نے بھی وسط ایشیاء میں متعدد مدرسے قائم کیے ان میں دو مدرسے جو ہلاکو خاں کی ماں نے بخارا میں قائم کیے تھے کافی مشہور ہیں۔ مصر بھی مدرسوں کی بناء میں کسی طرح مشرق سے کم نہ تھا، شروع میں یہاں بھی مساجد ہی کے اندر تعلیم و تعلم کا طریقہ رائج تھا چنانچہ جامع ازہر جو یہاں کی بہت مشہور درسگاہ ہے دراصل ایک مسجد ہی ہے جو خلیفہ معزلدین اللہ کے زمانے میں ۳۵۹ھ۔ ۱۰۰۴ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس میں فقہاء وغیرہ درس دیتے تھے۔ ابو الفرج یعقوب ابن کلیس نے ان علماء کے لیے جو یہاں درس دیتے تھے اور ان طلبہ کے لیے جو یہاں درس لیتے تھے وظیفے مقرر کیے۔ جن لوگوں کو وزیر کی طرف سے وظیفے دیے جاتے تھے ان کو عید الفطر کے دن خلیفہ کی طرف سے خلعت وغیرہ بھی ملتا تھا اس کے بعد حاکم بامر اللہ نے اس کو اور ترقی دی اور بہت سی املاک اس کے مصارف کے لیے وقف کر دیئے۔ اس مدرسہ کے لیے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ بھی مہیا کیا گیا جس کا تذکرہ کتب خانہ کے ضمن میں کیا جائے گا۔ یہ مدرسہ آج تک قاہرہ میں قائم ہے اور دنیا کے مال دار علمی اداروں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ مختلف مقامات کے طلبہ کے لیے علاحدہ علاحدہ دار الاقامے ہیں جن کو راقم الحروف نے خود دیکھا ہے۔

باقاعدہ مدارس کے قائم ہونے سے پہلے الحاکم بامر اللہ کا قائم کیا ہوا دار العلم بھی مشہور تھا اس کو قصر الغربی کے جوار میں الحاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ۔ ۱۰۰۴ء میں قائم کیا تھا۔ اس میں مختلف علوم کی تعلیم کے لیے مختلف کمرے مخصوص تھے، جس میں قراء، فقہاء منتظمین، اصحاب النحو، لغت واطبا وغیرہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ اس خوب صورت عمارت میں مناظرے اور مباحثے بھی ہوتے تھے جن میں حاکم بامر اللہ خود شریک ہوتا تھا اور علما کو خلعت و انعام عطا کرتا تھا اس عمارت کے لیے خدام و فراش مقرر تھے جو ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لیے حاضر رہتے تھے۔ اس عمارت میں دنیا کا بہترین کتب خانہ بھی تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مناظروں کی وجہ سے بددینی اور الحاد کی طرف لوگوں کا میلان ہونے لگا تو امیر الفضل نے اس دار العلم کو بند کر دیا۔

جب فاطمیوں کے زوال کے بعد صلاح الدین کا دور آیا تو صلاح الدین اور اس کے امرا و اقرباء و اعزہ نے بہت سے مدرسے قائم کیے۔ صلاح الدین نے فاطمیوں کے زوال سے پہلے بھی جب وہ خلیفہ عاضد کا وزیر تھا ایک مدرسہ ناصریہ کے نام سے مسجد عمر کے پاس قائم کیا تھا یہاں شافعی مذہب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی، اس نے ایک اور مدرسہ قمحیہ نامے مالکی مذہب کی تعلیم کے لیے بھی ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں قائم کیا تھا ایک دوسرا مدرسہ شرفیہ کے نام سے قائم کیا جو بعد میں اس مدرسہ کے استاد الرئیس مشہور شافعی عالم ابن النجار کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ ایک مدت تک انھوں نے یہاں درس

دیا تھا۔ ۵۷۲ھ۔ (۱۱۷۶ء) میں ایک حنفی مذہب کا مدرسہ مشہد حسن کے پاس قائم کیا گیا۔ سلطان کا شوق دیکھ کر دیگر امرا و مصاحبین نے بھی مدرسے قائم کرنے میں کافی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ ان میں مشہور قاضی الفاضل عبدالرحیم علی بیسانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ قاضی مذکور شہر عسقلان میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد شہر بیسان میں عرصہ تک عہدۂ قضا پر متمکن رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کا لقب بیسانی ہو گیا، قاضی مذکور نہایت زبردست انشاپرداز تھے۔ صلاح الدین آپ کی بے حد قدر کرتا تھا اور بغیر ان کے مشورے کے کوئی کام نہ کرتا تھا انھوں نے قاہرہ میں فاضلیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جہاں مالکی اور شافعی مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ امام ابو محمد شاطبی جو ناظم شاطبیہ تھے اس کے رئیس الاساتذہ مقرر ہو گئے تھے اور ابوالقاسم عبدالرحمن بن سلامہ مشہور فقیہ دونوں مذہب کے فقہ کی تعلیم کے لیے مامور ہوئے، اس مدرسہ میں ایک کتب خانہ تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں جو ۶۹۴ھ (۱۱۹۴ء) میں ضائع ہو گئیں، یہ مدرسہ قاہرہ کی مشہور درسگاہوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

ملک العادل نے ایک مدرسہ عادلیہ کے نام سے اور اس کے بھتیجے تقی الدین نے ایک مدرسہ تقیہ کے نام سے قائم کیا۔ مدرسہ قائم کرنے کا شوق عام لوگوں میں بھی تھا چنانچہ ایک مشہور تاجر نے بھی ایک مدرسہ المرسوفی کے نام سے قائم کیا۔ ابن جبیر جو صلاح الدین کے زمانہ میں اسکندریہ گیا تھا اس نے وہاں کے متعدد مدارس کا ذکر کیا ہے جن میں ایک مدرسہ امام شافعی کے مزار کے پاس تھا۔ خاندان مملوک اور ایوبیوں کے زمانہ میں بھی بہت سے مدارس قائم ہوئے، ایک سڑک جو بین القصرین کے نام سے مشہور تھی اور جہاں پہلے فاطمی خاندان کے محلات تھے اس کے دونوں طرف مدرسوں کی قطاریں تھیں۔ جن کا ذکر ابن نعیمی اور ابن دقماق نے بھی کیا ہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی کے شروع میں مصر کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ اُس نے دمیاط، خوض اور سنا وغیرہ میں متعدد مدرسے دیکھے۔ ابن دقماق (۸۲۲ھ۔ ۱۴۱۹ء) نے بھی مدرسوں کا تذکرہ کیا ہے اور ایسے مدرسوں کا ذکر مقریزی نے بھی کیا ہے۔ مقریزی نے اجمال و تفصیل کے ساتھ ۵۳ مدرسوں کا ذکر کیا ہے جن میں ۲۰ مدرسے تو چھٹی صدی (گیارھویں صدی عیسوی) میں قائم ہوئے۔ صرف دو مدرسے نویں صدی (چودھویں صدی عیسوی) کے بعد قائم ہوئے۔

مغرب میں عموماً مالکی مذہب کے مدرسے تھے۔ تونس کے خاندان حفصہ کے زمانہ میں متعدد مدرسے قائم ہوئے۔ ٹیونس کے مورخ زرکشی نے ۱۱ مدرسوں کا ذکر کیا ہے جن میں مدرسہ عشق الجمل بھی شامل ہے جو ۷۴۲ھ (۱۳۴۱ء) میں قائم کیا گیا تھا۔

ابن مرزوق صاحب المسند کے بیان کے مطابق مرینی خاندان کے ابو یوسف بن عبدالحق نے ۶۸۲ھ (۱۲۸۳ء) میں ایک مدرسہ فارس میں قائم کیا۔ ابن مرزوق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سعید اور اس کے لڑکے ابوالحسن نے متعدد مدرسے قائم کیے۔ مثلاً مدرسہ مدینۃ البیضا (۷۲۱ھ۔ ۱۳۲۱ء) میں قائم کیا اور دوسرا مدرسہ العطارین جو بعد میں مدرسہ الوادی کے نام سے مشہور ہوا۔ (۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۴ء) میں قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس کے جانشین ابوعنانیہ نے (۷۵۶ھ۔ ۱۳۵۵ء) میں مدرسہ بوعنانیہ قائم کیا۔ ابوالحسن ابوعنان مدرسوں کے قائم کرنے کے لیے مشہور تھا اور اس نے اس مدرسہ کے علاوہ اور مدرسے بھی قائم کیے تھے۔

حکومتِ اندلس بھی علمی ترقی میں دیگر ممالک اسلامیہ سے کم نہ رہی مسلمانوں نے اس دور دراز ملک میں پہنچ کر باوجود مسیحی مخالفین میں گھرے ہونے کے علوم و فنون کو حیرت انگیز ترقی دی۔ اندلس میں ایسے سیکڑوں علما و فضلاء ہوئے ہیں جن کی نظیر دنیا میں محال ہے۔ ابو بکر بن زہر مشہور عالم اندلس کے پاس ایک مرتبہ ایک عجمی شخص فضلائے خراسان میں سے بیٹھا تھا اس سے پوچھا گیا کہ "اندلس کے علماء شعراء و کتباء کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے" اس نے جواب دیا کہ "اندلس ایسی سرزمین ہے جس کے آفتاب کا نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ دنیا بھر کی خوبیاں اندلس کی طرف منتقل ہو گئی ہیں اور کوئی ایسی عظمت نہیں جس نے اندلس خاک بوسی نہ کی ہو۔"

یہاں بھی بہت عرصہ تک تعلیم مساجد ہی میں ہوتی رہی اور شاید یہاں مساجد کی عمارات اور دیگر ملکوں کی مساجد کی عمارات سے زیادہ وسیع اور خوب صورت تھیں۔ اندلس میں مدارس باقاعدہ بہت عرصہ کے بعد قائم ہوئے لیکن جب مدارس قائم ہوئے تو ان کی شہرت دنیا میں پھیل گئی اور یورپ کے سیکڑوں طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرنے لگے اور ان مدارس کے انتظامات اور بہت سی اصطلاحات کو یورپ نے مستعار لیا۔

اندلس میں بھی مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے ملا کر آٹھ سو مدارس تھے مورخین نے قرطبہ، اشبیلیہ، عمالقہ اور غرناطہ کی درسگاہوں کا تذکرہ

کیا ہے اور عموماً مستشرقین نے ان کو یونی ورسٹی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ قرطبہ کی درسگاہ میں علوم دینیات وفقہ وغیرہ کے علاوہ طب، ریاضی اور دیگر علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی اور طلبہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، کیونکہ اس درسگاہ کی سند عمدہ ملازمت حاصل کرنے میں کافی معاون ہوتی تھی۔ غرناطہ میں جو اندلس کا دمشق خیال کیا جاتا تھا، ایک درسگاہ یوسف ابو حجاج (۷۵۰ھ۔ ۱۳۴۹ء) نے قائم کی تھی۔ اس کا وزیر لسان الدین ابن خطیب ہوا جو خود بھی زبردست عالم تھا۔ اس درسگاہ میں دینیات اور علم لسانیات وغیرہ پر تعلیم دی جاتی تھی اس کے علاوہ عام مجالس مواعظ ومشاعرہ وغیرہ بھی ہوتی تھیں۔ اس درسگاہ کی عمارت نہایت عمدہ اور وسیع تھی، اس کے دروازے پر دو شیر بنے ہوئے تھے اور حسب ذیل کتبہ اس کے دروازے پر کندہ تھا۔

العالم قائم علیٰ اربعة أركان

معرفة الحكيم	عدالة العظيم	صلاة التقى	بسالة الشجاع
عقلمندوں کا علم	حکام کا انصاف	پرہیزگاروں کی دعائیں	بہادروں کی شجاعت

سامان نوشت وخواند کاغذ سازی

فن کاغذ سازی مسلمانوں کی ایجاد نہیں لیکن اس کی ترقی میں اُنھوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ پروفیسر ہٹی کے بیان کے مطابق تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے آخر تک عموماً جھلّی پر لکھنے کا رواج تھا جس کو دھو کر دوبارہ بھی استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ مامون اور امین کی خانہ جنگی کے دوران میں سرکاری دفاتر سے جھلّی پر لکھے ہوئے دستاویزات وفرامین کو لوگوں نے لوٹا اور عرصہ دراز تک ان کو دھو کر بازاروں میں فروخت کرتے رہے۔ تیسری صدی (نویں صدی عیسوی) کے آغاز میں عراق میں باہر سے چینی کاغذ کی درآمد شروع ہوئی لیکن کچھ عرصہ بعد یہاں بھی کاغذ تیار ہونے لگا اور وہ اس طرح کہ (۲۵۱ھ۔ ۱۰۵۹ء) میں چند چینی قیدیوں نے سمرقند میں روئی کتان اور لتوں سے کاغذ بنانا شروع کیا۔

پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ لفظ کاغذ چینی جو ایران سے عربی زبان میں آیا، بعد کو یہ صنعت سمرقند سے عراق میں آئی اور خاندانِ برامکہ کے چشم وچراغ فضل ابن یحییٰ کی کوشش سے ایک کاغذ بنانے کا کارخانہ بغداد میں قائم ہو گیا۔ فضل کے بھائی جعفر نے جو ہارون رشید کا وزیر تھا کوشش کی کہ سرکاری دفاتر میں جھلّی کے بجائے اس قسم کا کاغذ مستعمل ہو، اس کے بعد سمرقند کے دیکھا دیکھی دیگر مقامات میں بھی کاغذ بنانے کے کارخانے قائم ہوئے اور تہامہ میں بھی ایک دیسی گھاس کے ریشوں سے کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ مقدسی سمرقند کے بنے ہوئے کاغذ کو بہترین خیال کرتا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں شہر طرابلس کے کارخانہ کا کاغذ بہت اچھا سمجھا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ معتصم نے اپنے نئے دار الخلافت سامرہ میں چند مصری کاغذ بنانے والوں کو طلب کیا تھا۔ مصری عموماً قاقیر کے درخت سے کاغذ بناتے تھے جس کی دستیابی سامرہ میں محال تھی اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہاں بھی کتان یا روئی سے کاغذ بنایا جاتا ہوگا۔ ابن ندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں سامرہ کے کاغذ کی اقسام کی ایک طویل فہرست دی ہے۔

شمالی افریقہ، اندلس اور صقلیہ میں بھی جوں جوں مسلمان بڑھتے گئے کاغذ بنانے کی صنعت ترقی کرتی گئی، چنانچہ قاقیر اور روئی کی کاشت مذکورہ بالا ممالک میں شروع ہوئی اور خوش قسمتی سے ان ممالک کی آب وہوا اور مٹی اس کی کاشت اور پرداخت کے لیے نہایت موافق ثابت ہوئی اور اس طرح اس صنعت کو ان ممالک میں بے حد ترقی ہوئی۔ سب سے مشہور کارخانہ کاغذ سازی کے لیے شطبیہ تھا، جہاں یورپ کے جملہ مغربی مسیحی ممالک کو کاغذ بہم پہنچایا جاتا تھا، یورپ کے مشرقی حصوں میں شام وفلسطین سے ایک خاص قسم کا کاغذ بھیجا جاتا تھا۔ بہرحال یہ امر مسلمہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر تک مذکورہ بالا قسم کا کاغذ ہر جگہ استعمال ہوتا تھا۔ اس کاغذ کے استعمال کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کاغذ نسبتاً ارزاں تھا۔ ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں قیصر فریڈرک نے عام ممانعت کردی کہ دستاویزات وسرکاری فرامین کے لیے یہ کاغذ نہ استعمال کیا جائے کیونکہ یہ کاغذ دیرپا نہیں ہوتا لیکن چونکہ یہ کاغذ ارزاں ملتا تھا اس لیے اس ممانعت کا چنداں اثر نہ ہوا۔

کتابت

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ تابعہ کے عہد میں عربی خط نے ترقی کی اور عربی خط کے متعلق خاص اصول وضوابط کی پابندی ہونے لگی۔ عرب

تبابعہ کے عہد میں متمدن خیال کیے جاتے تھے اور جو خط وہ استعمال کرتے تھے وہ حمیری خط کہلاتا تھا۔ تبابعہ کے زوال کے بعد سلاطین آل منذر نے حیرا میں اس خط کو رائج کیا۔ حیرا سے اہل طائف اور قریش کے کتابت سیکھی۔ بعض کے بیان کے مطابق سفیان ابن امیہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اسلم بن سدرئی سے کتابت سیکھی لیکن حسب ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش میں عراق کے قبیلہ ایات سے صنعت کتابت پہنچی۔

قوم لهم ساحته العراق اذا ساروا جميعاً والخط والقلم

ابن خلدون اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ قبیلہ ایات سے کتابت عربوں کو پہنچی کیونکہ ایات زیادہ متمدن نہ تھے اور کتابت ترقی تمدن کی چیز ہے۔ اس کے نزدیک مذکورہ بالا شعر کا یہ مطلب ہے کہ قبیلہ ایات کے لوگ عرب کے دیگر قبائل سے خط وکتابت میں بہتر تھے۔ حمیر کا طریقہ کتابت جس میں تمام حروف الگ الگ لکھے جاتے تھے، مسند کہلاتا تھا اور شاہان حمیر کی اجازت کے بغیر دوسری اقوام کو نہیں سکھایا جاسکتا تھا۔ ابتدائی اسلام میں عربی قبائل زیادہ تر بدوی تھے اس لیے فن کتابت وہاں بہت پست حالت میں تھا، ظہور اسلام کے بعد جب مسلمانوں کی سلطنت وسیع ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں بصرہ اور کوفہ مرکز اسلام قرار پائے اور انصرام امور سلطنت کے لیے کتابت کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور رفتہ رفتہ اس صنعت کو ترقی ہونے لگی اور حیرہ کے بجائے کوفہ کے نام سے خط مشہور ہوا۔

کلام مجید اور مذہبی کتابیں لکھنے کے لیے خط کوئی مخصوص تھا۔ ولید بن عبدالملک اموی کے زمانے میں کتابت کا ماہر مشہور خطاط خالد بن صباح گزرا ہے جس نے مسجد نبوی پر چند سورتیں سورۂ بلد سے سورۂ نار تک لکھی ہیں۔ دوسرا مشہور خطاط جو کلام مجید اجرت پر لکھا کرتا تھا سامہ بن لوی بن غالب کا غلام مالک بن دینار (متوفی ۱۳۰ھ۔ ۷۴۷ء) تھا۔ جب بنو عباس کے عہد میں تمدن کا عروج ہوا اور علمی چرچا بڑھا تو تصنیف و تالیف کا زور تھا جس کے لیے کتابت نہایت اہم چیز تھی چنانچہ بنو عباس کے زمانے میں خطاطی نے بڑی ترقی کی اور علماء وصاحب وقار لوگ بھی اس کو سیکھنے لگے، یہاں تک کہ خلفاء بھی کار ثواب سمجھ کر قرآن کی کتابت خود کرتے تھے۔ ابتدائے دولتِ عباس میں ایک مشہور خطاط ضحاک ابن عجلان تھا جس نے ایک نئے قسم کا خط ایجاد کیا۔ ضحاک کے بعد اسحاق وغیرہ نے مختلف طرز کے خط ایجاد کیے اور ان کے نام مسند، قلم الجلیل، قلم السجلات وغیرہ رکھے گئے۔

مامون کے زمانے کی کُتاب باہم ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ مامون کے زمانہ میں قلم الرسیع، قلم النساخ اور قلم الریاسی ایجاد ہوئے۔ ۲۱۹ھ۔ ۸۳۴ء) میں ایک مشہور خطاط ریحانی نے ایک خاص خوب صورت خط ایجاد کیا جو خط ریحانی کے نام سے مشہور ہوا۔ وزیر ابن مقلہ متوفی (۳۲۹ھ۔ ۹۴۰ء) جو اپنے وقت کا نہایت مشہور خطاط تھا جس نے حرفوں کے دائروں اور نشست حروف کو خوب صورت بنانے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ بغداد کے ایک حمال کا لڑکا ابن البواب (۴۱۳ھ۔ ۱۰۲۲ء) ایک خاص طرز تحریر کا موجد ہوا ہے، اس نے مدور حرفوں کو ایک دوسرے سے ملانے کا طریقہ ایجاد کیا اور رسم الخط خوب صورت ہو گیا۔

ان کے علاوہ دربار عباسیہ کا کاتب یعقوب المستعصم بھی ایک خاص طرز کے خط کا موجود ہے جو یعقوبی کے نام سے مشہور ہے، الصحاح کے مصنف الجوہری مشہور محدث ابن الجوزی اور مشہور ماہر موسیقی، عبدالمومن موصلی اصفہانی بھی مشہور خطاط گزرے ہیں۔ خطاطی کی ترقی کے سلسلے میں مختلف قسم کے خط وجود میں آئے جو مختلف مواقع پر استعمال ہوتے تھے، کتابت کے سلسلہ میں دوسری صنعتوں نے بھی خوب ترقی کی چنانچہ کلام مجید کے اوراق اور دوسری کتابوں پر زریں نقش ونگار اور سنہرے بیل بوٹے وغیرہ بنانا عباسیوں کے زمانے میں شروع ہوا اور مملوک کے زمانے میں معراج کو پہنچا۔ شروع میں صرف کلام مجید کے صفحات مزین کیے جاتے تھے لیکن بعد میں دیگر علوم کی کتابوں کے صفحات بھی مزین کیے جانے لگے۔

جلد سازی

شروع میں کتابوں کی جلدیں خوب صورت اور پائیدار نہیں ہوتی تھیں کیونکہ وہ چونے کے کمائے ہوئے چمڑے سے بنائی جاتی تھیں جو عموماً سخت ہو جاتا تھا، کوفہ کے باشندوں نے کھجور کی دباغت کر کے ایسی چیز نکالی جو چمڑے کی طرح جلد سازی کے کام آتی تھی۔ جلدوں کے مزین کرنے میں نہایت عمدہ کارگیری کا اظہار کیا جاتا تھا چنانچہ ایسی کتابوں کا پتہ چلتا ہے جن کی جلدیں مختلف اقسام کے رنگین چمڑوں کی بنی ہوئی تھیں اور حاشیے طلائی

ونقرئی تھے، سب سے پرانا نسخہ جس کی جلد سازی اس طرح کی گئی ابوعبیدہ کی غریب الحدیث کا تھا، جو اب بھی لائڈن میں موجود ہے۔ کلام مجید کے بھی متعدد نسخے ملتے ہیں جن کی جلدیں خوب صورت چمڑے کی ہیں اور جن کے حاشیے اور حوضوں میں نہایت عمدہ نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔

کتابوں کی دوکان

چونکہ اُس زمانہ میں آج کل کی طرح چھاپے خانے نہ تھے جو چند گھنٹوں میں ہزاروں صفحے چھاپ سکیں لہذا کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اور نقل کرانے میں صحت کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا اور اس لیے کتابوں کی قیمت زیادہ ہوتی تھی چنانچہ (۲۴۸ھ۔ ۸۶۲ء) میں الجلیل کی کتاب العین کی قیمت پچاس دینار تھی اور جریر کے دیوان کی ساٹھ دینار۔ باوجود ان دقتوں کے کتابوں کی تجارت نے نہایت سرعت سے ترقی کی۔ ساتویں صدی ہجری میں صرف بغداد میں کتابوں کی سو دکانیں تھیں، یہ دکانیں مسجد سے متصل واقع تھیں اور کتب فروشوں کے قیام وطعام کا بھی انتظام عموماً انھیں دکانوں میں تھا۔ صرف کتابیں ہی مختلف طریقوں سے فروخت نہ ہوتی تھیں بلکہ اہل علم کے مباحثے ومناظرے بھی ہوتے تھے۔

کتب فروش اور ان کے کارندے عموماً مشہور عالم ہوتے تھے جن کی دکانوں پر کتابوں کے محاسن ومعائب پر بھی تنقید کی جاتی تھی، یاقوت مشہور مصنف معجم البلدان وارشادالاریب کتابوں کی نقل کرتا تھا، مشہور مصنف الفہرست ابن ندیم کتابوں کے کاروبار کرنے کی وجہ سے الوراق کے نام سے مشہور ہوا، اس کی مشہور تصنیف الفہرست ان کتابوں کی فہرست ہے جو دوران کاروبار میں اس کی نظر سے گزریں، اس کتاب میں اس نے کتابوں اور مصنفین کے حالات نہایت جاں فشانی سے جمع کیے ہیں۔

ابن ندیم بیان کرتا ہے کہ لوگوں کو اس زمانے میں کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، اپنے پیشے کے سلسلہ میں اس نے عراق کے ایک چھوٹے شہر حدیثہ میں ایک شخص سے ملاقات کی جس کے پاس مختلف علوم وفنون کی بے نظیر کتابوں کا ذخیرہ تھا، یہ شخص اس ذخیرہ کی دل وجان سے حفاظت کرتا تھا، اس کی یہ سب کتابیں ایک بڑے بکس میں محفوظ تھیں، یہ کتابیں جھلّی، مصری، قاقیر، چینی اور خراسانی کاغذ اور چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ خطاط کا نام مع مصنف کے نام کے درج تھا اور بعض کتابوں میں متعدد علماء کے نسلاً بعد نسل حواشی درج تھے۔

اصمعی کا خاص شاگرد ابوحاتم سہیل ابن محمد السجستانی بھی کتب فروش تھا، کتب فروشوں کی دکانوں پر کتابیں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ رکھی جاتی تھیں اور ہر کتاب پر ایک کاغذ چسپاں ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آیا یہ کتاب نجی طور پر فروخت ہوگی یا شارع عام پر نیلام کی جائے گی کیونکہ اس زمانہ میں شارع عام پر کتاب نیلام ہونے کا طریقہ رائج تھا۔ دیگر ممالک اسلامی میں بھی کتابوں کی تجارت نے خوب ترقی کی۔ چنانچہ اندلس میں قرطبہ بھی کتابوں کی تجارت کے لیے کافی شہرت رکھتا تھا جہاں دیگر مقامات سے بھی کتابیں فروخت ہونے آتی تھیں۔

کتب خانہ

مسلمانوں کے انتہائی ذوق علمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتابوں کے جمع کرنے کا شوق نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کرنے لگا اور اسلامی ممالک میں لاتعداد ذاتی وعمومی کتب خانے قائم ہوگئے۔ باقاعدہ کتب خانوں کا پتہ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) سے چلتا ہے۔ دولت عباسیہ میں جب ہارون ومامون نے جب یونانی اور دیگر علوم کے ترجمے کرانے کے لیے بیت الحکمہ قائم کیا تو اس سے ملحق نہایت عمدہ ایک کتب خانہ تھا جس میں ہارون رشید نے روم، انقرہ وغیرہ سے کتابیں لاکر جمع کی تھیں۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے بھی ہندوغیرہ سے کتابیں جمع کی تھیں۔ مامون کے زمانے میں علاوہ عربی زبان کی کتابوں کے یونانی، سریانی، فارسی اور قبطی زبانوں کی کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔ جب لوگوں کو مامون کے اس شوق کا پتہ لگا تو مختلف مقامات سے لوگ کتابیں لے کر آتے تھے، ابن ندیم کے بیان کے مطابق رسول مقبولؐ کے جد امجد عبدالمطلب بن ہاشم کے لکھے ہوئے نسخے اس کتب خانہ میں موجود تھے۔ اس کتب خانہ میں مشہور نساخ مثلاً اعلان الشعوبی وغیرہ ملازم تھے۔ اس کتب خانہ سے استفادہ کرنے والے حسب ذیل اشخاص ہوئے ہیں۔ محمد ابن موسیٰ الخوارزمی المنجم، یحییٰ بن ابو منصور الموصلی، فضل ابن نوبخت المنجم اور شاکر کی اولاد وغیرہ، اس کتب خانہ کے مشہور ناظموں میں سہل ابن ہارون کافی مشہور ہوا ہے۔

بغداد کا دوسرا کتب خانہ (۳۸۱ھ۔ ۹۹۱ء) میں شاپور ابن آردشیر وزیر بہاء الدولہ نے محلہ سوارین اور کرخ کے درمیان قائم کیا جس میں ہزاروں جلدیں معتبر ائمہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ اس کتب خانہ کا خازن مشہور لغوی عبدالسلام بصری تھا، جس کا (۴۰۵ھ۔ ۱۰۱۴ء) میں انتقال ہوا۔ اس کتب خانہ کو خاندان سلجوق کے پہلے فرماں روا طغرل بیگ کے وزیر عمید الملک کندری نے اپنے کتب خانہ میں شامل کر لیا۔ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے مشہور شائقین علوم میں الجاحظ، ابوالفتح ابن خاقان اور قاضی ابن اسحاق کافی مشہور ہوئے ہیں۔ الجاحظ متوفی (۲۲۵ھ۔ ۸۳۹ء) اپنے زمانہ کا لاثانی عالم خیال کیا جاتا تھا۔ جاحظ کو صرف کتابیں جمع کرنے کا ہی شوق نہ تھا بلکہ جو کتاب اس کے ہاتھ پڑتی تھی اس کو کتب فروشوں سے عاریۃً لے کر شروع سے آخر تک پڑھ ڈالتا، وہ مطالعہ کا اس قدر شائق تھا کہ کتابیں ہی اس کی موت کا باعث ہوئیں، کہا جاتا ہے کہ بڑھاپے میں جب وہ مفلوج ہو گیا تھا تو کتابوں کے انباروں میں سے جو اس کے چاروں طرف لگے رہتے تھے ایک انبار گر گیا جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔

وزیر ابوالفتح ابن خاقان بھی کتب بینی کا بہت شائق تھا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خاص قسم کی آستین بنواتا تھا جس میں ہمیشہ کتابیں رہتی تھیں اور جب اس کو موقع ملتا تھا کتاب نکال کر پڑھنے لگتا تھا، وزیر ابوالفتح ابن خاقان کے پاس ایک نہایت عمدہ کتب خانہ تھا جس کی تنظیم مشہور علی ابن یحییٰ المنجم (متوفی ۲۷۵ھ۔ ۸۸۸ء) نے کی تھی۔ کتابوں کی خوبصورتی اور تعداد کے لحاظ سے یہ کتب خانہ کافی شہرت رکھتا تھا۔ یہ کتب خانہ علمائے بصرہ و کوفہ کے استفادہ کے لیے کھلا رہتا تھا۔ قاضی اسمٰعیل ابن اسحاق (۲۸۲ھ۔ ۸۹۵ء) کے متعلق ابن ندیم کا بیان ہے کہ میں نے قاضی مذکور کو جب کبھی دیکھا انھیں یا تو کتاب اٹھائے دیکھا یا کتاب پڑھتے دیکھا۔ علی ابن یحییٰ المنجم (۲۷۵ھ۔ ۸۸۸ء) نے بھی بغداد کے قریب کرکار میں ایک عمدہ کتب خانہ قائم کیا تھا جو خزانۃ الحکمت کے نام سے مشہور تھا، یاقوت کا بیان ہے کہ کتب خانہ کی شہرت کی وجہ سے لوگ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے مطالعہ کے لیے یہاں آتے تھے، ہر شائق علم کو کتابوں تک رسائی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے قیام وطعام کا بھی خود علی کفیل ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور منجم ابومعشر (۲۷۲ھ۔ ۸۸۵ء) نے خراسان سے مکہ جاتے وقت اس کتب خانہ کے دیکھنے کے لیے قیام کیا، اس کو یہ کتب خانہ اس قدر پسند آیا کہ اس نے سفر مکہ کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کتب خانہ سے استفادہ کرنے کے لیے یہیں عرصہ تک رک گیا۔

مدرسہ نظامیہ میں جس کو (۴۵۷ھ۔ ۱۰۶۴ء) نظام الملک نے قائم کیا تھا ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا، اس کتب خانہ میں نظام الملک نے نہایت کوشش سے نایاب کتابیں فراہم کی تھیں۔ نظام الملک کی وفات کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ نے اس میں بہت سے نایاب نسخوں کا اضافہ کیا ہے۔ یہ کتب خانہ تاتاریوں کے حملہ تک نہایت اچھی حالت میں تھا۔ مدرسہ مستنصریہ میں بھی جس کو مستنصر باللہ نے قائم کیا تھا ایک بڑا کتب خانہ تھا جو تعداد کتب اور انتظام کے لیے کافی مشہور تھا، اس کتب خانہ میں طلبہ کو کاغذ، دوات، قلم، مفت مہیا کیے جاتے تھے۔ ان کتب خانوں کے علاوہ بغداد میں کتب خانوں کی تعداد چھوٹی بڑی ملا کر چھتیس تھی جو ہلاکو خاں کے حملہ میں (۶۵۶ھ۔ ۱۲۵۸ء) عموماً برباد کر دیے گئے۔ موصل میں مشہور عالم وشاعر ابن حمدون (۳۳۴ھ۔ ۹۴۵ء) میں ایک دار العلم قائم کیا تھا جس میں مختلف کتابوں کا نہایت عمدہ ذخیرہ تھا اور جس کے استعمال کی لوگوں کو عام اجازت تھی۔ غربا کو کاغذ مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ ابن حمدون نے اپنے لیے اس کتب خانہ میں ایک خاص جگہ مقرر کی تھی جہاں بیٹھ کر تاریخ وفقہ پر املا لکھایا کرتا تھا، قاضی ابن حبان (المتوفی ۳۵۴ھ۔ ۹۶۵ء) نے نیشاپور میں ایک مکان بنوایا تھا، جس میں باہر سے آنے والے شائقین علم کے قیام وخورد ونوش کا بھی انتظام تھا۔

خاندان علویہ کے دور کے شاعر ارضی نے (۴۰۶ھ۔ ۱۰۱۵ء) میں طلبہ کے لیے ایک دار العلم قائم کیا، شاید پرانا ادارہ جس میں صرف کتب خانہ تھا خزانۃ الحکمت کے نام سے مشہور تھا اور نیا ادارہ جو دار العلم کے نام مشہور ہے اس میں کتب خانہ کے لیے صرف مخصوص حصہ تھا۔ جب بنو عباس کی سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور طوائف الملوکی قائم ہوئی تو بنو عباس کی کمزوری کی وجہ سے مختلف ممالک میں کچھ خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ان خود مختار سلطنتوں نے بھی علم کی ترقی میں ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں یہاں علمی چرچے بہت پھیل گئے اور بڑے بڑے کتب خانے قائم ہونے لگے، چنانچہ شیراز میں عضد الدولہ نے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا جس کے متعلق مقدم کا بیان ہے کہ عضد ولہ نے شیراز میں ایک نہایت عمدہ خوب صورت محل بنوایا جو مشرق ومغرب میں بے نظیر تھا، جاہل تو اس محل میں جا کر مبہوت ہو جاتے تھے اور عالم کے سامنے جنت کی نعمتوں

کا نقشہ کھینچ جاتا تھا، اس عمارت میں آبشاروں کا جال پھیلا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف باغ و سبزہ تھا یا باغوں میں نہریں جاری تھیں اور ہر ممکن آرائش کا سامان مہیا تھا، اس محل میں تین سو ساٹھ کمرے تھے اور سال میں ایک دن ہر کمرے میں عضد الدولہ قیام کرتا تھا۔ اس میں ایک کتب خانہ تھا جس کا انتظام ایک وکیل، ایک خازن اور ایک مشرف کے متعلق تھا جو نہایت قابل اعتبار خیال کیے جاتے تھے۔ عضد الدولہ نے اس کتب خانہ کے لیے نہایت جانفشانی سے کتابیں فراہم کی تھیں اور اس زمانہ تک کی کوئی ایسی تصنیف نہ تھی جو یہاں موجود نہ ہو۔ یہ کتب خانہ محراب دار لمبے کمروں میں قائم تھا، ان کمروں میں کھلنے اور بند ہونے والے خانوں کی قد آدم الماریاں تھیں۔ ان الماریوں میں متعدد علوم و فنون کی کتابیں نہایت سلیقہ سے ترتیب دی گئی تھیں اور تمام کتابوں کے نام فہرست میں باقاعدہ درج تھے، اس کتب خانہ میں جانے کی صرف خاص خاص لوگوں کو اجازت تھی۔ صاحب الفراشیین نے مقدسی کو یہ کتب خانہ دکھلایا الماریوں تک سیڑھیوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ الماریوں کے بند کرنے کے لیے پردے تھے، یہ الماریاں بہت چوڑی نہ تھیں، آگ اور دھوپ سے بچانے کا خاص انتظام تھا، کتابوں اور مصنفوں کے نام کتابوں پر تحریر تھے اور کتابوں کی ترتیب مضمون دار تھی، کتابوں کی تلاش آسانی پیدا کرنے کے لیے کتابوں کی فہرست ایک کاغذ پر لکھی ہوئی الماری پر لگی تھی، اس فہرست پر یہ بھی درج رہتا تھا کہ کتاب مکمل ہے یا اس کے کچھ حصے غائب ہیں۔ یہ کتب خانہ جانشینوں کی لاپروائی سے رفتہ رفتہ برباد ہو گیا۔ یہاں تک کہ مشہور خطاط ابن ابواب کو سلطان بہاء الدین سے کتب خانہ کی ابتری کی شکایت کرنا پڑی۔ ابن مقلہ کا مخطوطہ کلام مجید جو تیس حصوں میں منقسم تھا اس کے کچھ حصے غائب ہو گئے تھے جو بعد کو بدقت تمام جمع کیے گئے۔

آل بویہ کے وزرا میں بھی بڑے بڑے جید عالم اور کتب خانوں کے شائق گزرے تھے۔ مشہور استاد ابوالفضل ابن عمید نے نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا جس کا خازن مشہور مورخ ابن مسکویہ تھا۔ ابن مسکویہ نے اس کتب خانہ کے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے کہ جب رے کو خراسانی حملہ آوروں نے غارت کیا اور وزیر کے مکانات کو اس طرح لوٹا کہ پانی پینے کا کٹورہ تک نہ رہا تو اس غارت گری کے بعد ابن مسکویہ، ابوالفضل ابن عمید کے سامنے آیا تو اس نے پہلا سوال اپنے کتب خانہ کے متعلق کیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کے کتب خانہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور کہنے لگا کہ دنیا میں سب چیزیں حاصل کر سکتا ہوں اور حاصل کرلوں گا لیکن ایسا کتب خانہ جمع کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ دوسرا کتب خانہ مشہور عالم وزیر صاحب ابن عباد کا تھا جس میں چار سو اونٹ بوجھ کی صرف دینیات کی کتابیں تھیں اور صاحب ابن عباد نے سامانیوں کی وزارت قبول کرنے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ اس کا کتب خانہ منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس کے کتب خانہ کی فہرست دس جلدوں میں تھی۔ حلب میں ہمدانی خاندان کے سیف الدولہ نے جو متنبی کا ممدوح اور فارابی کا مربی رہا ہے ایک بہت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا، طرابلس میں بنو عمار نے پانچویں صدی میں ایک شان دار کتب خانہ قائم کیا جس کے متعلق ابن الفرات متوفی (۸۰۶ھ) بیان کرتا ہے کہ شیخ ابی طے عمید البخاری نے اس کتب خانہ کے متعلق بیان کیا کہ طرابلس میں یہ ایسا دار المطالعہ تھا جو کتابوں کی تعداد اور خوبصورتی کے لحاظ سے اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، اس کتب خانہ میں دس لاکھ کتابوں کی تعداد تھی جو دینیات، قرآن اور حدیث وغیرہ پر مشتمل تھیں۔ اس میں پچاس ہزار قرآن اور اسی ہزار تفاسیر کے نسخے تھے۔ اس کتب خانہ کے لیے متعدد خطاط مقرر تھے جو نہایت معقول تنخواہ پاتے تھے اور تیس خطاط دن رات کام کرتے تھے۔

بنو عمار اپنے کارندوں کو ہر ملک میں بھیجتے تھے کہ نفیس کتابوں کا انتخاب کر کے کتب خانہ کے لیے خریدیں، بنو عمار اپنی علم پروری کے لیے بہت مشہور تھے اور خصوصیت کے ساتھ فرقہ امامیہ کو تو بنو عمار ہی نے از سر نو زندہ کیا۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا تھا جو کو فرینک سپاہیوں نے جلا کر برباد کر دیا۔ ایک شیخ جو فخر الملک ابن عمار سلطان طرابلس کے ساتھ شیراز میں تھا بیان کرتا ہے کہ جس وقت اسے معلوم ہوا کہ فرانک سپاہیوں نے طرابلس فتح کر لیا ہے تو وہ غش کھا کر گر گیا، جب ہوش میں آیا تو بے طرح آنسو جاری تھے اور کہتا تھا کہ ''خدا قسم مجھ کو طرابلس کے فتح ہونے کا اس قدر افسوس نہیں ہے جس قدر کتب خانہ کی بربادی کا۔'' اس کتب خانہ کی بربادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب فرانک فاتحین طرابلس میں داخل ہوئے تو ایک پادری اس کتب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ایک کمرے میں جا کر کتابیں دیکھنے لگا۔ اتفاق سے ایک کتاب اٹھائی تو کلام مجید نکلا۔ اس نے اسی طرح متعدد کتابیں اٹھائیں اور وہ سب کلام مجید تھیں اس کو خیال ہوا کہ عمارت بھر میں شاید کلام مجید ہی کی کتابیں ہیں، اور اس نے آگ لگا دی۔ جب شام پر نور الدین کا قبضہ ہوا تو اس نے مدارس قائم کیے اور ایک کتب خانہ خزائن النوریہ کے نام سے قائم کیا، اسی طرح صلاح الدین نے بھی کتب خانہ قائم کیا۔

خراساں اور ماوراء النہر میں یاقوت کے بیان کے مطابق متعدد کتب خانے تھے ان میں سے ایک کے متعلق یاقوت تحریر کرتا ہے کہ اس میں ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں جن سے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ بخارا میں بھی کافی علمی چرچا تھا اور یہاں بھی متعدد کتب خانے تھے جس میں نوح بن منصور سلطان بخارا کا ایک مشہور کتب خانہ تھا جس سے ابو علی سینا نے دو سال تک استفادہ کیا۔ شیخ الرئیس بو علی سینا، اس کتب خانہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "میں نے اس میں ایسی کتابیں دیکھیں جن کا نام لوگوں نے کم سنا ہوگا۔ میں نے ایسی کتابیں نہ اپنی عمر میں پہلے دیکھیں اور نہ شاید بعد میں دیکھنے کا اتفاق ہو۔" ہلاکو خاں نے نصیر الدین طوسی کے لیے مراغہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں بغداد، شام اور جزیرہ وغیرہ کی لوٹی ہوئی کتابیں جمع تھیں اس کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ اندلس کے خلفا اور سلاطین نے بھی خلفائے عباسیہ سے علم دوستی میں کسی طرح کم نہ رہنا چاہتے تھے، چنانچہ بنی امیہ نے اندلس میں بنی عباس کی تقلید کی اور ان سے کسی حال میں کم نہ رہے۔

الحکم بن ناصر جو ۳۵۰ھ میں خلیفہ ہوا نہایت علم دوست تھا، اس نے قرطبہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا جس کی مثال دنیا میں نہ تھی اور جس میں دنیا کے ہر کونے سے کتابیں خریدنے کے لیے تاجروں کو ایک کثیر رقم دی جاتی تھی تاکہ بہترین کتاب انتخاب کر کے اس کے لیے خریدیں۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابو الفرج اصفہانی نے اپنی کتاب آغانی مکمل کر لی ہے تو اس نے بنو عباس کے پاس پہنچنے سے پہلے ہزار اشرفی دے کر اس کا اولین نسخہ خریدا۔ اسی طرح قاضی ابو بکر الابہری کی کتاب خریدی۔ اس کتاب خانہ کے لیے قرطبہ میں ایک خاص محل بنوایا گیا جس میں کتب خانہ منتقل کرنے کے لیے چھ ماہ لگ گئے۔ اس کتب خانہ کی دیکھ بھال کے لیے مدیر اور مشرف مقرر تھے۔ ہر موضوع کی کتابوں کی علاحدہ علاحدہ فہرستیں تھیں اور ہر فہرست بتیس صفحے کی تھی اس لیے اگر ہر صفحہ میں بیس نام بھی فرض کر لیں تو دواوین کے مجموعہ کی تعداد ۲۴۰۰۰ خیال کی جاتی ہے اس لیے ابن خلدون اور مقری کا یہ بیان کہ اس کتب خانہ میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔

جملہ بلاد اندلس میں مال دار لوگ و علماء الحکم کی پیروی کرتے تھے اور ریاست و وجاہت کے اظہار کے لیے کتب خانہ قائم کرنا ضروری خیال کرتے تھے غرناطہ میں ستر عمومی کتب خانے تھے۔ کتب خانہ قائم کرنا جاہل رئیس بھی باعث اعزاز اور فخر سمجھتے تھے اور یہ کوشش کرتے تھے کہ ان کے کتب خانہ میں ایسی کتابیں ہوں جو دوسری جگہ نایاب ہوں، یہ شوق خبط کی حد تک پہنچ گیا تھا جیسا کہ الحضرمی کے بیان سے پتہ چلتا ہے۔ الحضرمی بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ قرطبہ کے کتابوں کے بازار میں جہاں ہر جگہ سے کتابیں نیلام ہونے آتی تھیں گیا تو میں نے نہایت عمدہ نسخہ ایک کتاب کا جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی دیکھا، میں اس نسخہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس کی قیمت لگانا شروع کی، ایک شخص میرے مقابلہ میں اس کی بولی بڑھا دیتا تھا، یہاں تک کہ کتاب کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ گئی، میرا جی چاہا کہ میں اس شائق علم سے ملوں جس نے اس کتاب کو اتنی گراں قیمت پر خریدا تھا، وہ وضع قطع سے کافی مال دار معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس سے کہا: "سیدنا الفقیہ! خدا آپ کو بہت عزت دے، میں نے اس کتاب کو آپ کے لیے چھوڑ دیا کیونکہ یہ کتاب شاید آپ کو زیادہ درکار ہے لیکن اس کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔" اس نے جواب دیا: "نہ تو میں فقیہ ہوں اور نہ میں پڑھا لکھا ہوں، اور نہ یہ جانتا ہوں کہ یہ کتاب کیسی ہے اور کیا ہے، میں نے لوگوں میں اعزاز حاصل کرنے کے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا ہے جس میں ایک کتاب کی جگہ خالی تھی جو اس کتاب سے پُر ہوتی تھی، اتفاق سے اس کی لکھائی اور اس کی جلد مجھے پسند آئی، مجھے اس کی مطلق پروا نہیں کہ اس کی کیا قیمت ہے کیونکہ خدا نے مجھے کافی دیا ہے۔" یہ سُن کر الحضرمی کو بہت طیش آیا اور وہ یہ کہتے بغیر نہ رہ سکا کہ: "خدا آپ ہی ایسے لوگوں کو مال دیتا ہے۔ خدا اخروٹ ایسے کو دیتا ہے جس کے دانت نہیں ہوتے، میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں کیا ہے اور میں اس کتاب سے فائدہ بھی اُٹھا سکتا ہوں لیکن میرے پاس دولت نہیں ہے، کاش میرے ہاتھ کی کمی آپ کے ہاتھ کی زیادتی سے پوری ہو جاتی۔"

قرطبہ کے قاضی ابو مطرف متوفی (۴۲۰ھ-۱۰۲۶ء) کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا اور چھ خطاط ہمیشہ اس کے پاس ملازم رہتے تھے جہاں اس کو نایاب اور کمیاب کتابوں کا پتہ چلتا تھا اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا چاہے کتنا ہی صرف کیوں نہ کرنا پڑے۔ قاضی موصوف کتابیں مستعار نہیں دیتے تھے بلکہ یا تو کتابوں کے نقل کرنے کی اجازت دیتے تھے یا بطور عطیہ نہایت خوشی سے نذر کر دیتے تھے۔ ان کے کتب خانہ کی قیمت کا پتہ اس وقت چلا جب اُن کے ورثا گردش روزگار سے ایسے غریب ہو گئے کہ ان کو کتب خانہ بیچنا پڑا یہ کتابیں متواتر ایک سال تک فروخت ہوتی رہیں اور ان

سے چار لاکھ دینار قیمت وصول ہوئی۔ شہزادوں اور امرا کے علاوہ معمولی طلبہ کو بھی ذخیرۂ کتب کا شوق تھا۔ یہ لوگ باوجود محدود ذریعۂ معاش کے رفتہ رفتہ کتابیں جمع کرتے تھے۔ چنانچہ محمد ابن حزم جو ایک مدرسہ کا معلم تھا اس نے قرطبہ میں ایک کتب خانہ جمع کیا جس میں بہت سے نایاب نسخے تھے جن کی ابن حزم نے خود احتیاط سے کتابت کی تھی۔ خلیفہ ہشام ثانی المتوفی (۴۳۲ھ۔۱۰۴۰ء) کی وفات کے بعد جب طوائف الملوکی ہوئی اور سلطنت چند خود مختار حاکموں میں منقسم ہوگئی تو انھوں نے ذخیرۂ کتب شوق سے قائم رکھا۔ طیطلہ کے بنی ذوالنون، شرگوسہ کے بنی ہود، غرناطہ کے بنو عمار نے ذخیرۂ کتب کا شوق شدومد سے ساتھ جاری رکھا۔ اندلس اور بغداد کی دیکھا دیکھی، مصر کے فاطمی خاندان کے سلاطین کو بھی ذخیرۂ کتب فراہم کرنے کا شوق ہوا۔

العزیز باللہ نوعمری میں (۳۶۵ھ۔۹۷۵ء) سریر آرائے خلافت ہوا لیکن اس وقت اس کا وزیر یعقوب ابن کلس تھا، جو تاریخ میں اپنے تدبر انتظام اور علم دوستی کی وجہ سے کافی مشہور ہوا ہے، اس وزیر نے العزیز کو علماء کی صحبت کا شوق دلایا اور اس کے لیے مختلف طبقہ کے لوگوں کو جمع کیا۔ (۳۷۸ھ۔۹۸۸ء) میں مسجد ازہر کے قریب ایک زمین خرید کر ایک دار العلم قائم کیا۔ جہاں ہر جمعہ کے دن علمی مباحث ہوا کرتے تھے۔ یہ دار العلم آج تک قاہرہ میں موجود ہے۔ اس نے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا جس کا نام خزانۃ الکتاب رکھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ دنیا میں اس کتب خانہ سے بہتر کوئی کتب خانہ نہ تھا اور یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا تھا۔ العزیز نے تاریخ، ادب، فقہ وغیرہ کی کتابیں جمع کیں اور کافی رقم خرچ کی بیان کیا جاتا ہے کہ العزیز کے سامنے کسی نے الجلیل کی کتاب العین کا تذکرہ کیا تو اس نے اپنے کتب خانہ کے خازن کو بلا کر اس کتاب کو طلب کیا، خازن تین جلدیں کتاب العین کی لایا جس پر خود مصنف کا نوشتہ موجود تھا۔ ایک مرتبہ ایک کتب فروش نے طبری کا ایک نسخہ اس کے سامنے پیش کیا جس کو اس نے سو دینار میں خریدا، اس وقت اس کے کتب خانہ میں بتیس نسخے طبری کے موجود تھے جس میں ایک نسخہ مصنف کے ہاتھ کا بھی تھا، ابن درید کی کتاب جمرہ کے سو نسخے تھے۔ بعد کے مصنفین نے اس کتب خانہ کی کتابوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی اور القلقشندی نے ان کا اندازہ ۱۲ لاکھ کیا۔ ابن الطویر نے اس کی تعداد ۲۰ لاکھ تحریر کی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کتب خانہ میں ۱۲۰۰ نسخے تاریخ طبری کے تھے اور ۲۴۰۰ کلام مجید کے جو مشہور خطاطوں کے لکھے ہوئے تھے اور بہترین نقش و نگار سے مزین تھے۔ ان مکررات کو خیال کرتے ہوئے ۱۶ یا ۲۰ لاکھ کی تعداد فقہ، حدیث، نحو ولغت، روحانیت، کیمیا وغیرہ کے علوم کی کتابوں کو ملا کر چنداں مبالغہ نہیں معلوم ہوتی۔

مقریزی جس نے مصر کے مفصل حالات لکھے ہیں اور مختلف ماخذوں سے استفادہ کیا ہے، اس کتب خانہ کی کتابوں کی مجموعی تعداد نہیں بیان کرتا لیکن جا بجا کتب خانہ کے چند حصص کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ العزیز کے کتب خانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں چالیس کمرے تھے اور ہر کمرے میں ۱۸ ہزار کتابیں مختلف علوم وفنون کی تھیں ممکن ہے اس تعداد میں خزانۃ المنصور کی کتابیں شامل ہوں کیونکہ العزیز کے ہر محل میں کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ العزیز کتابوں کی خود دیکھ بھال کرتا تھا اور اس کی دیکھ بھال کا کام مشہور عالم وکاتب ابوالحسن شاشی (المتوفی ۳۹۰ھ۔۹۹۹ء) کے سپرد تھا۔ اس کتب خانہ کا حشر بھی نہایت دردناک ہوا، ترکوں کے فتنہ کے دوران میں بہت سی کتابیں لوٹی گئیں اور ترکوں نے اس کو نہایت بے دردی سے برباد کیا اور اُس کے مشہور اور خوبصورت نسخے آگ جلانے کے کام میں لائے گئے اور اُن کی مطلا جلدوں سے جوتوں کے تلے بنوائے گئے، بہت سی کتابیں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں اور بہت سی میدان میں چھوڑ دی گئیں جن پر ہوا خاک ڈالتی رہی یہاں تک کہ خاک کا ایک تودہ بن گیا جو تل الکتب کے نام سے مشہور ہوا، ان میں سے پچیس اونٹ کتابیں وزیر محمد ابن الفرج محمد بن جعفر مغربی کے گھر پہنچیں۔

صلاح الدین کے زمانے میں اس کے محل میں قریب قریب ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں جن کو صلاح الدین نے قاضی ابوالفضل بن عبدالرحیم البیسانی کو بطور عطیہ کے دیدیں۔ قاہرہ کے کتب خانہ کی بقیہ کتابیں نیلام سے فروخت کردی گئیں یہ نیلام ہفتہ میں دوبار ہوتا تھا اور دس سال تک ہوتا رہا۔ (۵۷۲ھ۔۱۱۷۶ء) تک اس قسم کے نیلام کا پتہ چلتا ہے۔ مشہور مورخ عمادالدین اصفہانی کاتب صلاح الدین نے ان میں سے بہت سی کتابیں خریدیں جس کی قیمت صلاح الدین نے معاف کردی۔ (۳۹۵ھ۔۱۰۰۴ء) میں الحاکم بامراللہ ابن العزیز باللہ نے قاہرہ میں قصر غزنی کے جوار میں ایک بیت الحکمۃ قائم کیا جس میں ایک کتب خانہ بھی شامل تھا جہاں بعض مورخین کے بیان کے مطابق خزائن القصور سے بھی کتابیں لائی گئیں۔ الحاکم

نے نہایت خوبصورت عمارت اس کتب خانہ کے لیے تعمیر کرائی جہاں نہایت عمدہ مزین فرش تھا۔اس کتب خانہ کی دیکھ بھال کے لیے قوام اور مشرفین مقرر تھے یہ بغداد کے بیت الحکمت کی طرح دار الحکمہ قائم کیا گیا تھا تاکہ لوگ اس میں مطالعہ و درس و تعلیم جاری رکھیں چنانچہ بلاکسی روک ٹوک کے تمام شائقین علم کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ بعض مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ دار الحکمت مدرسہ بھی تھا۔جہاں قرااور منجمین اصحاب النحواور علماء لغت و طب مقرر تھے جن کے مصارف سلطنت برداشت کرتی تھی اور شائقین علم کو اجازت تھی کہ جو کتاب چاہیں نقل کرلیں، چنانچہ اس غرض کے لیے سیاہی، قلم، کاغذ اور دوات بھی سلطنت کی طرف سے مفت مہیا کیے جاتے تھے۔الحاکم کے کتب خانہ کا سالانہ بجٹ یہ تھا: چٹائی وغیرہ......۱۰ دینار، خطاطوں کے لیے کاغذ ...... ۹۰ دینار، ناظم کتب خانہ کا خرچ...... ۴۸ دینار، ملازم......۱۵دینار، قلم، سیاہی، کاغذ......۱۲دینار، مرمت پردہ......ا دینار، مرمت کتب اور گم شدہ اوراق کی نقل کے لیے......۱۲دینار، جاڑے کے پردے......۵دینار، قالین......۴ دینار۔اس کتب خانہ سے متعلق دیگر مصارف کا بالتفصیل پتہ نہیں چلتا۔اس کتب خانہ میں مختلف کمرے تھے، مطالعہ کرنے والوں کے لیے کمرہ علاحدہ تھااور موسیقی کے مجالس کے لیے علاحدہ۔اس میں قالین اور چٹائیوں کا فرش تھادروازہ اور کھڑکیوں پر پردے تھے، صدر دروازہ پر بہت بڑا پردہ تھا تاکہ گرمی اور ٹھنڈ سے حفاظت ہو۔الحاکم اس دار العلم میں علماء کو بلاکر خود اس کے مناظرے سنتا تھا۔یہ کتب خانہ الظاہر کے زمانہ تک قائم رہا۔جب سلطان صلاح الدین کا مصر پر تسلط ہوا تو اس نے اس دار العلم کو منہدم کرادیااور شافعیہ جماعت کا ایک مدرسہ بنایا۔

قاضی ابوالفضل ابن عبدالرحیم بیسانی نے (۵۸۰ھ۔۱۱۸۴ء) میں مدرسہ فاضلیہ کے اندر ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں، ابن صورۃ الکتبی کا بیان ہے کہ اس کے بیٹے نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ اس کتب خانہ سے ایک نسخہ حماسہ کا پڑھنے کے لیے لادے، چنانچہ قاضی نے ملازم کو حکم دیا کہ حماسہ کے نسخے لائے اور وہ ۳۵ نسخے لے آیا جو مختلف خطاطوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔قاضی الفضل خود بتاتے جاتے تھے کہ یہ نسخہ فلاں مشہور نساخ نے لکھا ہے اور یہ نسخہ فلاں مشہور خطاط کا ہے اسی طرح سب نسخوں کے نساخ کے نام بتانے کے بعد کہنے لگے کہ اس میں بچوں کے لائق کوئی نسخہ نہیں ہے بہتر ہے کہ تم ایک دینار میں بازار سے اس کا ایک نسخہ خریدلو۔یہ کتب خانہ قاہرہ کے نہایت مشہور کتب خانوں میں شمار کیا جاتا تھا جس میں قاضی الفضل نے نایاب کتابیں نہایت گراں قیمت پر خرید کر فراہم کی تھیں۔اس میں ایک جلد حضرت عثمان کے ذاتی قرآن کی بھی تھی جس کو قاضی الفضل نے ہزاروں دینار میں خریدا تھااور جو نہایت حفاظت سے رکھا جاتا تھا۔یہ کتب خانہ (۶۹۴ھ۔۱۲۹۴ء) کے قحط میں برباد ہو گیا، لوگوں نے روٹیوں کے لیے کتابیں بیچ ڈالیں اور کچھ کتابیں لوگ لے گئے اور واپس نہیں کیں۔

اس مضمون میں مختصراً صرف ایسے مشہور کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں تعداد کتب کئی ہزار سے زائد تھیں۔بہت سے ایسے کتب خانوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا جو مساجد میں تھے اور جن کا تذکرہ سیاحوں نے کیا ہے مثلاً مکہ و مدینہ کی مساجد کی کتابوں کے مجموعہ کا تذکرہ ابن جبیرو، ابن بطوطہ وغیرہ نے کیا ہے۔ابن بطوطہ دمشق کی مساجد کے کتب خانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ”میں نے یہاں مسجد میں ایک کلام مجید کا نسخہ دیکھا جو حضرت عثمان کا وہ کلام مجید تھا جس کی آپ اپنی شہادت کے وقت تلاوت کررہے تھے اور جس پر کئی سو برس گزرنے کے بعد بھی خون کے نشانات موجود تھے۔“

تونس کی جامع مسجد زیتونیہ میں ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا۔چھٹویں صدی میں مرو کی مساجد میں کتب خانے تھے جن میں سے ایک کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد یاقوت کے بیان کے مطابق ۱۲ہزار تھی۔ابن خلدون کے شفاخانہ میں ایک کتب خانہ تھا جس میں تغری بروی کے بیان کے مطابق ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں۔

☆☆☆